فکر و نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملی قیادت اور علمائے حق

ملتِ اسلامیہ ایک ایسے طرزِ معاشرت اور اسلوب زندگی کی حامل جماعت کا نام ہے جس کا سرچشمہ اور ماخذ کتاب و سنت ہے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے مہدی بھی ہے اور ہادی بھی، یعنی وہ صراط مستقیم پر فائز بھی ہے اور اس کی داعی بھی ـــ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ کتاب و سنت کی تعلیمات اور علم و عمل سے باخبر نہ ہو۔ چونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اسلامی علم و عمل کے حصول کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہو اس لیے حکم ہوتا ہے کہ ایک جماعت تو اس کے لیے ضرور فارغ کر دی جائے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (پ ۱۱۔ توبہ ع ۱۵)

"اور (یہ بھی) مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں۔ (لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر) ایسا کیوں نہ کیا ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ (اپنے اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے۔"

اس سے غرض اپنی قوم کی اصلاحِ حال ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ ہوش میں آجائیں۔

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (ایضاً)

تاکہ جب وہ (پڑھ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو ان کو ڈراتے تاکہ وہ (بھی برے کاموں سے) بچیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی قیادت علمائے حق کی ذمہ داری ہے اور وہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک اور مقام پر قرآن حمید نے بات اور بھی کھول کر بیان کر دی ہے کہ:

پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں صرف وہ طبقہ رہنمائی کر سکتا ہے جو استنباط اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (پ۔ النساء ع)

اور انھیں جب کوئی بات امن یا خوف کی پہنچتی ہے تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبانِ امر (اہل علم و حکمرانوں) کے حوالے کر دیتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

اولی الامر سے دونوں مراد ہیں (۱) اہل الاجتہاد علماء (۲) اور حکمران، قال الجصاص۔

یجوز ان یرید به الفریقین من اهل الفقه والولاة لوقوع الاسم علیهم جمیعا (احکام القرآن ص۲۶۲/۲)

فرماتے ہیں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ، علماء کے پاس "حکومت" نہیں ہوتی تو یہاں علماء کیسے مراد لیے جا سکتے ہیں؟ فرمایا: آخر فتویٰ تو ان کا ہی چلے گا، ہر امر بحیثیت حکمران نہیں ہوتا، غیر حکمران بھی امر کر سکتے ہیں ویسے بھی احکام کے شناسا یہی لوگ ہوتے ہیں اور لازماً ان کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ بس یہی امر ہے۔

قیل له ان الله تعالیٰ لم یقل من یملك الامر بالولایة علی الناس وجائز ان یسمی الفقهاء اولی الامر لانهم یعرفون اوامر الله ونواهیه ویلزم غیرهم قبول قولهم فیها فجائز ان یسموا اولی الامر من هذه الوجه (جصاص ص۲۶۳/۲)

فرمایا کہ اگر تمہارے مابین اختلاف پیدا ہو جائے تو کتاب اور رسول کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ (پ۔ النساء ع)

مفسرین لکھتے ہیں کہ: کتاب و سنت کی طرف رجوع علماء ہی کر سکتے ہیں، اس لیے یہ کیس ان ہی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

ومن لیس من اهل العلم لیست هذه منزلتهم لانهم لا یعرفون کیفیة الرد الی کتاب الله والسنة ووجوه دلائلهما علی احکام الحوادث فثبت انه خطاب للعلماء (احکام القرآن للجصاص ص۲۵۷/۲)

ان آیاتِ کریمہ نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی قیادت دراصل علمائے حق ہی کا فریضہ ہے اور ان ہی حضرات کو یہ بات زیب دیتی ہے۔ خلفاء راشدین کے عہد میں بھی علماء صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا رہا ہے، خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افاضل صحابہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، تاریخ کے اوراق ان مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔

علماء کی قیادت کے معنی "پاپائیت" کا احیاء نہیں ہے بلکہ علماء کا وجود "پاپائیت" کی نفی کرتا ہے۔ پاپائیت ایک منصب ہے جو مخصوص طبقہ کی بخشش کا نتیجہ ہوتا ہے، وہ ایک ایسی تنظیم ہے جس میں مختلف عہدے اور مناصب ہوتے ہیں۔ وہاں علم و فضل کی بنیاد پر اسے از خود کوئی حاصل نہیں کر سکتا، لیکن علماء کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

ہاں ہمارے دور میں کچھ "روشن خیال حضرات" "پاپائیت" کے نام پر علماء کو بدنام کر کے دراصل "قرآن" حکیم کو ذہنی آوارگی کی انارکی کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی طرح "اسلام" کو مسخ کیا جا سکے۔ ہاں ان میں کچھ لوگ "قرآن" کے نام پر تحریک چلا رہے ہیں، جو پاپائیت کا نام لے کر علماء پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ خود پاپائیت کی احیاء کی کوششوں میں مصروف ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ قرآن کے مفاہیم کی تعبیر کا حق "مرکزِ ملت" کو ہے۔ یہ حضرات اس قسم کا نعرہ ایجاد کر کے نہ صرف پاپائیت کے لیے فضا ہموار کرنے میں مصروف ہیں بلکہ وہ قرآن کے نام پر جدید قسم کے ڈکٹیٹروں کی داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک "علماء" اس لیے قابلِ احترام ہیں کہ وہ قرآن دان اور حاملِ قرآن ہیں، جو لوگ نہیں جانتے "قرآن کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے؟" ان سے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ ان بابرکت ہستیوں کی طرف رجوع کریں اور استفادہ کریں۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ان کا کلمہ بھی پڑھیں — جتنی اور جیسی بات قرآن کی کہیں وہ مان لیں، جہاں کچھ جھول پائی جائے، چھوڑ دیں۔ اب اس کی طرف رجوع کریں جس کا قول اور رہنمائی قرآن کی روح سے قریب تر ہو۔ اگر یہ پاپائیت ہے تو پھر معلوم نہیں، امامت اور کیا ہے؟

بہر حال ملت اسلامیہ میں علمائے حق کا یہ وہ اصلی اور واقعی مقام ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے ان کو حاصل ہے اور اس مقام پر وہ طویل عرصہ تک عملاً فائز بھی چلے آ رہے ہیں۔

یہ اس وقت کا قصہ ہے جب کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں اور خلفاء راشدین کے مبارک عہد میں جہانبانی اور دینی امور یعنی دنیا اور دین ابھی یک جا جمع تھے اور ان سے مادی اور روحانی اعمال میں "تفریق" نے ابھی راہ نہیں پائی تھی، اسلام کے اسرار و رموز کے وہ محرم راز تھے، شریعت مطہرہ پر ان کی نگاہ مجتہدانہ تھی، تدبیر مملکت اور ملک کے سیاسی تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے ان کی نگاہ اور قیادت کا دائرہ زندگی کے کسی خاص گوشہ تک محدود نہ تھا بلکہ عملی زندگی، سیاسیات ملی اور امورِ مملکت تک کو محیط تھا۔ کیونکہ متنوع ذمہ داریوں اور فرائض کی وجہ سے ان کے لیے

کتابی دنیا اور نظری علم پر قناعت کرنا کافی نہیں تھا، بلکہ اپنے گرد و پیش کے تقاضوں، احوال و ظروف کی مختلف قدروں، فکری عوامل، تمدنی رجحانات اور عصری تعامل کے مقتضیات پر نگاہ رکھنا اور ان کے سلسلے میں اسلام کی فطری رہنمائی ان کو مہیا کرنا ان کے فرائض منصبی اور دینی فریضے میں داخل تھا۔ جس طرح شعائرِ دین اور مراسم شرعی کے وہ نگہبان اور پاسبان تھے ویسے ہی تمدنی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی رہبری بھی ان کے علمی اور روحانی حیطۂ اقتدار کا حصہ تھی۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان کی حق گوئی، استغنا، ایمان اور ضمیر کی بادشاہت، ثبات علی الحق کے مقام رفیع، دینی معروف کے سلسلے میں ان کی حریصانہ تبلیغی مساعی، منکر کے خلاف ان کی بے قابو غیرت کے سامنے تاج و تخت لرزہ براندام رہتے تھے۔ اس لیے عملی حیثیت میں بھی ان کے افکار کو سرکاری حیثیت حاصل تھی، اربابِ اقتدار ان کا احترام کرتے اور ان سے رہنمائی حاصل کیا کرتے۔

اس کے بعد جب دنیوی سیاست اور دینی اقتدار میں ہم آہنگی نہ رہی اور عنانِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو خدا سے زیادہ اپنے نفس و ہویٰ کے غلام تھے، تو شروع شروع میں گو علماء کے پاس شاہی طنطنہ، شوکت اور اثر و نفوذ جیسی دولت نہ رہی تاہم اب بھی اپنے علم و عمل کی وجہ سے عوام میں ان کا ایک مقام تھا، ترغیب و تحریص اور ترہیب و تنذیر کی بیسیوں تحریکات کے باوجود دنیوی حکومتوں کے لیے ان کا راستہ روکنا محال اور ان کو رام کرنا دشوار تر تھا۔ لیکن افسوس! جب علم و عمل کی کائنات میں حرص و طمع کے بھونچال آنا شروع ہو گئے، اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ضمیر اور غیرت ماؤف ہونے لگے، روحانیت پر مادیت چھانا شروع ہوئی، خدا کے بجائے خداوندانِ مملکت کی خوشنودی کی پیاس بڑھی، دل کی جگہ شکم اور کام و دہن بار پا گئے، رسول کے بجائے دوسرے آستانوں سے محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں، کسی غیر کے پاسِ خاطر کے لیے حریتِ فکر اور علم و ہوش کو فریب دینے کی کوششیں شروع ہو گئیں تو علماء کی روحانی مسند بھی ادبار اور زوال کے نرغے میں آ گئی قربِ سلطان کی ہوس نے ان کو حکمرانوں کا نہ صرف حلقہ بگوش بنا دیا بلکہ مملکت کے بجائے صرف ان کے مستقبل کے لیے ایک چارہ ساز بھی بنا کر رکھ دیا۔ اس لیے قدرتی طور پر علماء کے فکر و نظر کا دائرۂ کار بھی محدود ہوتا شروع ہو گیا، اگر اس میں کچھ وسعت رہی تو صرف نظری اور کتابی حد تک، لیکن دنیائے بے کراں کے تمدنی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں کے سلسلے میں ان کی دلچسپیاں گھٹ گئیں وہ بالآخر "بسم اللہ کے گنبد" میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ان جاہ پرست اور خوشامدی علماء نے علماءِ سُو کی ایک ایسی ٹیم کو بھی جنم دے ڈالا جس نے قدم قدم پر اقتدار کے دیوتاؤں کو جھوٹے سہارے مہیا

کیے اور اسلامی مستقبل کے لیے بے شمار الجھنوں کو تخلیق کیا۔ اسلام "سرکار پرست" علمار سوء کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے وجود کو ملت اسلامیہ اور خود اسلام کے لیے ایک فالِ بد تصور کرتا ہے۔ انھوں نے حکمرانوں کی جتنی عظیم خدمات انجام دیں اتنا ہی اسلام اور اہلِ اسلام سے مثالی بدخواہی کا ثبوت دیا اور علمائے حق کے لیے قدم قدم پر آزمائشوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع کرکے ان کے لیے عذاب و عتاب کے شرمناک دروازے بھی کھول ڈالے۔ خدا ان روسیاہوں کو غارت کرے جنھوں نے اقتدار کے بتوں کے صنم خانے آباد کیے اور ان علمائے حق کو اجر جزیل عنایت کرے جو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دار و رسن تک پہنچے۔

ان سے کبھی ان کو فرصت ملی تو انھوں نے کتاب و سنت کے بجائے بعض شخصیتوں کی عینکیں لگا کر کائنات کا مطالعہ کیا جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حریتِ فکر پر اوس پڑ گئی۔ رسول اور کتاب سے براہِ راست رابطہ رکھنے کی توفیق ان سے چھن گئی، اور وہ فقہی اور کلامی اثاثہ جو عصری تقاضوں کی تسکین کے لیے مرتب کیا گیا تھا، اسے ہر زمان اور ہر علاقہ کے لیے لازوال بنا کر رکھ دیا۔ چنانچہ شخصیت پرستی کے بوجھ تلے یوں دب کر رہ گئے جیسے کراچی کی چھ منزلہ عمارت کے نیچے دب کر دنیا رہ گئی۔ اب علمی تنگ دامانی کے ساتھ ساتھ فکری جمود اور تنگ نظری نے بھی آگھیرا — چنانچہ اعاظم پرستی اور تقلید کی بندشوں میں گرفتار ہو کر، دعوت کے اس مقام رفیع سے بھی وہ دور جا پڑے جو اسلامی دعوت کی ہمہ گیری کا خاصا تھا۔ حالانکہ پہلے سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ علمار کی رہنمائیوں کا دائرہ بھی بڑھتا رہا تھا، اب واقعات اور حوادثات سے بے قابو طوفانوں کے باوجود چند فقہی اور کلامی کتابوں کی چار دیواری سے نکلنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا، اگر کسی "بندۂ مومن" نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو اسے خارجی اور منکرِ یزداں قرار دے ڈالا۔

ہمارے علم و ہوش کے ماضی کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ ہمارے اسلاف ہر دور میں دنیا کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اپنے تعلیمی خطوط کا جائزہ لیتے رہے تھے اور حسبِ حال جدید تقاضوں کے مطابق تعلیمی خاکے مرتب کرکے دنیا کو ایک ایسی تعلیم یا فتہ ٹیم مہیا کرتے رہے تھے جو ان کے دردوں کی دوا اور ان کے اجتماعی اور انفرادی تقاضوں کا فطری حل پیش کرتی رہی تھی۔ کیونکہ اسلام دینِ فطرت، خدا کا آخری پیام اور کائناتِ ارضی کے بتدریج بڑھتے ہوئے تقاضوں کا آخری جواب ہے۔ اس لیے اب اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ علما ہر دور میں، اپنے دور کے خصائص، عوامل، مزعومات اور تعامل پر نگاہ رکھیں، اس سلسلے کے تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور

فکری تحریکات کا گہرا جائزہ لیں اور پھر ایک کامیاب معلم کی طرح ان پر روشنی ڈال کر صحیح اور غلط واضح کریں۔ ماضی میں ایک بھی دور ہمیں ایسا نظر نہیں آتا اور تاریخ کے کسی موڑ اور گوشہ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ ہمارے اکابر اور علمائے امت نے عصری علوم سے پہلو تہی کیا ہو یا عصری تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے صرف چند مفوضہ کتابوں کی تعلیم و تدریس پر وقت ضائع کیا ہو، یا کش دنیا پوری برق رفتاری کے باوجود ہمارے علماء کی علمی اور فکری دسترس سے اپنا دامن چھڑا کر آگے نکل گئی ہو۔ پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

دورِ حاضر کا عظیم فتنہ، سائنسی، اور جدید اقتصادی دریافتیں ہیں اور کچھ بے خدا معاشرہ کی معاشرتی (بقول ان کے) سائنٹیفک، قدریں ہیں، ہیئت اور جغرافیہ اور ریاضی کے بعض مسلمہ افکار ہیں، لیکن وہ ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے علماء کے فکر و نظر کی جولانیوں سے پرے ہوں، اگر ان کی مناسب تعلیم و تدریس کی طرف توجہ دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سلسلے کی ذمہ داریوں یا اس میدان کے بوالعجبوں کی لن ترانیوں کو مطمئن نہ کیا جا سکے۔ یقین کیجیے! قرآن و حدیث ابدی ہیں، ان کی ایک تھیوری بھی جدید علوم سے متصادم نہیں ہے۔ صرف آپ کی نگاہ التفات کے خصوصی التفات کی ضرورت ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ جدید علوم کے سلسلے میں وسائل کی کمی ہے اور دینی درسگاہوں کے لیے ان کی طرف توجہ دینا خاصہ مشکل کام ہے، تاہم یہ تمام مشکلات ابتدائی دور تک مشکلات رہ سکیں گی۔ اس کے بعد بوریہ نشین چٹائیوں پر بیٹھ کر ہی امامانہ شان سے ان عصری علوم کی جتنی اور جیسی کچھ تکمیل کر سکیں گے ان کی عہدِ حاضر کے جدید معلموں سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہم جانتے ہیں کہ، چند عصری علوم کی وجہ سے جو مرعوبیت طاری ہو رہی ہے اور بدنیت عناصر جس طرح اس کمی کو اچھال کر علمائے حق کو مذموم مقاصد کے لیے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ انتہائی بودے ہیں، تاہم اس مرعوبیت کو ختم کرنا بھی تو علماء کا ہی دینی فریضہ ہے۔

ہمارے نزدیک قرآن و حدیث کا ہر جزیہ بشروں کی ترمیم اور حک و اضافے سے بالاتر ایک عظیم حقیقت ہے، لیکن جن جدید علوم کو لے کر دشمنِ دین، کتاب و سنت میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں ان کا بھی تو کچھ مداوا ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ جدید اور قدیم علوم کو اپنا کر علماء کرام کو چاہیے کہ ملت اسلامیہ کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں کیونکہ یہ دنیا دار لوگ ملت اسلامیہ کی سیاسی زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر اسلام کے بجائے اپنے اقتدار کو لازوال بنانے کے لیے پوری قوم کو استعمال کرتے رہتے ہیں

اس لیے ان کھلنڈروں کو ملتِ اسلامیہ کی تقدیروں سے کھیلنے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ قیامت میں خدا آپ سے اس کی باز پرس کرے گا ــــ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ : آپ نے جو میدان خالی کر کے ان کے حوالے کیا ہے اسے اب ویران نہ رہنے دیا جائے۔ آگے بڑھ کر اسے اپنے قبضے میں لیں۔ ان شاء اللہ عوام اب بھی آپ کا ہی ساتھ دیں گے۔

علمائے حق ایک عظیم قوت اور بے پناہ معنوی طاقت ہیں، اور یہ بات ان کے لیے سزاوار بھی ہے اس لیے اپنی اسی "عظیم حیثیت" کی وجہ سے خدا کے ہاں جواب دہ بھی ہیں۔ کیونکہ گھر کا مالک بھرا گھر چھوڑ کر اگر کہیں اور جگہ جا کر سستائے گا تو ظاہر ہے کہ چور گھر کے مالک کی عدم موجودگی سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جدید علوم اور وسائل کو خدا تصور کیا جائے۔ غرض یہ ہے کہ جس حد تک یہ خدا کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں اسی حد تک ان کو انہی ذرائع اور وسائل سے راستہ سے ہٹا دیا جائے

اسی طرح تقرب سلطان کی ہوس سے پرہیز کیا جائے الا یہ کہ خود ان کو تمام کر چلنے کا ارادہ اور حکمت ہو۔

استغنا آپ کی روحانی میراث ہے، اس کے احیاء کی کوشش کیجیے! اور جدید علوم کے ذریعے ملک و ملت کی جو عظیم خدمات دی جا سکتی ہیں ان کے اہتمام میں آپ دنیا سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ان کی قیادت کا فریضہ بھی آپ انجام دیں۔

تبلیغ اور دینِ برحق کی نشر و اشاعت آپ کا دینی فریضہ اور اخروی سرمایہ ہے، اس کو کاروبار بنانے سے پرہیز کیجیے! ورنہ آپ کے تبلیغی بولوں میں کوئی برکت نہیں ہو گی بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ آپ کی یہی لغزش آپ کی اخروی عافیتوں کے لیے فتنہ بن جائے۔

آپ کی موجودگی میں، خدا ناشناس لوگ جس قدر ملی قیادت پر قابض ہوتے جائیں گے اتنی ہی بے خدا سیاست اور غیر اسلامی طرزِ معاشرت فروغ پائیں گے جس سے آپ کی اخروی جوابدہی کے امکانات اور قوی ہوتے جائیں گے اس لیے اگر آپ نے اب اپنے مقام، منصب اور ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا تو آپ کی اس غفلت سے اسلام اور اہل اسلام کے مستقبل کو شدید نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے۔

ہم علماء کی اجارہ داری کے قائل نہیں ہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو چیز ان کے سوا اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتی اور جن کے بغیر ہماری زندگی کا ہر شعبہ ایک مسلم کی حیثیت سے غلط نتائج ہو سکتا ہے تو اس مرحلہ پر ان کو ضرور آواز دی جائے۔ یہ طبقاتی واویلا نہیں ہے بلکہ باصلاحیت افراد کی تلاش کے لیے منادی ہے۔ ع جس کا کام اسی کو ساجھے۔